حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج یکم جنوری ہے اور ملک میں سیاسی سرگرمیوں سے وہ تمام پابندیاں ہٹالی گئی ہیں جو مارشل لاء کی نرم روش اور تدبّر آمیز پالیسی کی وجہ سے پہلے ہی برائے نام سی رہ گئی تھیں۔ اب تمام پارٹیوں کو جلسے جلوس اور دیگر پبلک ذرائع سے اپنا سیاسی اور انتخابی پروگرام پیش کرنے کا آزادانہ موقعہ مل سکے گا۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹ کا استعمال اور ایک ضابطہ کے اندر ایک نمائندہ عوامی حکومت کے قیام کیلئے آئینی جدوجہد کا موقعہ عرصہ بعد اسلامیانِ پاکستان کو نصیب ہو رہا ہے جو دلی مسرت کا باعث ہے۔

—— اس وقت جبکہ بدقسمتی سے وطنِ عزیز نظریاتی اور فکری انتشار کے ایک بھنور میں گھرا ہے، انتخابات کا یہ سنہری موقعہ اپنے جلو میں خطرات کا ایک طوفان بھی لیے ہوئے ہے، ان حالات میں ملک وملت کی کشتی کو منجدھار سے نکال کر اور تلاطم خیز طوفانوں سے بچاکر سالمیت اور عافیت کے کنارے تک پہنچانا وقت کی ایک نازک ترین ذمہ داری ہے جسے ملک کے تمام اربابِ سیاست، معاملہ فہم قائدین، ذی شعور عوام بالخصوص عظمت اسلام کے علمبردار علماء اور اسلام کے نام لیوا تمام مسلمانوں کو نباہنا ہے، نمائندہ حکومت کے قیام تک کا یہ عرصہ ان تمام لوگوں کے اخلاص تدبر، سیاسی شعور اور ملی ودینی جذبات کیلئے امتحان اور آزمائش کا وقفہ ہے، ایسا وقفہ جو قوموں کی تاریخ میں بار بار نہیں آیا کرتا۔ ملک وملت کی بھلائی کا واقعی معنوں میں ہمیں کتنا فکر ہے۔؟ عوام کے بنیادی مسائل ان کے دکھ درد، افلاس، بیماری اور دیگر بنیادی حقوق کا ہمیں کتنا احساس ہے۔؟ اور سب سے بڑھ کر اس ملک میں دین کے اعلاء، اللہ کے احکام و فرامین کی سربلندی اور اجراء کا ہمیں کتنا درد ہے۔؟ اور ہمارے سیاسی اور ملی بلند بانگ دعوے کس حد تک حقیقت سے ہمکنار ہیں؟ اور اس طرح کی وہ تمام باتیں جو پچھلے بائیس سال سے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن چکی ہیں، اس انتخابی عرصہ میں ان کا واضح اور دوٹوک جواب دنیا کے سامنے رکھنا ہے اور ان سوالات کے جواب پر ہمارے مستقبل کی تعمیر یا تخریب کا دارومدار ہے۔

آج قوم کی اکثریت اس درد سے کراہ رہی ہے کہ اس ملک کے قیام کا بنیادی نظریہ مجروح

ہو رہا ہے، پاکستان کی سالمیت، نظریۂ پاکستان کا تحفظ، اور معاشی عدل و انصاف کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، قوم و ملت کی ایک ایک بیماری اور خرابی کریدکرید کر اس کے لئے نسخہ ہائے شفا تجویز ہو رہے ہیں۔ مگر اب یہ عوام کے فہم و تدبر، ماضی کے تجربات کا شعور، ... عاقبت اندیشی اور ملی و سیاسی سوجھ بوجھ پر ہے کہ ان نسخوں میں زہر ہلاہل اور تریاق کی تمیز کریں، مخلص، ایثار پیشہ، خیر اندیش سیاستدانوں اور عیار، منافق، ابن الوقت اور جاہ پسند، طالع آزماؤں میں فرق کر سکیں نعرے تو بائیس سال سے لگ رہے ہیں اور پاکستان سے قبل بھی ہر طرف دلآویز نعروں کا غلغلہ رہا، اور اس ملک میں اسلام، جمہوریت، معاشی مساوات کے حصول کے لئے جتنے نعرے لگائے گئے شاید دنیا کے کسی حصہ میں اس قدر آسمان سر پر اٹھایا گیا ہو۔ مگر مقصد برآری کے بعد ان نعروں کا جتنا خون خود ان نعرہ بازوں کے ہاتھوں یہاں ہوا شاید اس کی نظیر بھی دنیا کے کسی خطہ میں نہ مل سکے۔ سننے والے عوام کے حصہ میں اگر کوئی چیز آئی تو صرف ایک آہ ندامت یا سکوت حسرت و یاس یا پھر وہی غفلت مجرمانہ جسے شیوہ بنا کر ہم نے اگلے نووارد نعرہ بازوں کیلئے تازہ میدان مکر و فریب آراستہ کیا ـــ افسوس اس قوم کی غفلت کیشیوں پر کہ جب اس کے خوابیدہ جذبات جھنجھوڑے گئے تو سالوں کے ظلم و ستم اور مدتوں کے جبر و استبداد کے محلات اس نے ہفتوں اور مہینوں میں پیوند خاک کر دیئے ایک وقتی جوش اور ولولہ جب بیدار ہوا تو آگ اور خون کی ندیاں پاٹ کر اسلام کی خاطر اس قوم نے ایک وسیع سلطنت کھڑی کر دی، مگر جب اس کو آباد اور مستحکم کرنے کا وقت آیا تو اس ولولۂ ایمانی کا ہزارواں حصہ بھی اس کی صحیح اسلامی تعمیر میں خرچ نہ کر سکا۔ ہم پر جوش نعروں کی پذیرائی میں جتنے پر جوش ثابت ہوئے تھے ان نعروں کی نظر فریبیوں میں کھو کر حقیقت اور عمل کے میدان میں اتنے ہی کوتاہ ہمت اور پست حوصلہ بن گئے، ہمارے عہد زوال و اضمحلال کے سیاہ باب کا عنوان یہی ہے کہ جس جوش اور ولولہ سے ہم میدان کارزار میں کودتے ہیں، مقصد سے گریز فرائض سے غفلت اور ذمہ داریوں سے فرار میں اس سے بھی زیادہ تیز گام ہو جاتے ہیں ـــ ماضی کے تلخ تجربات کو یکسر فراموش کر دینا ہمارا شعار اور مستقبل سے آنکھیں بند کر دینا ہماری جبلت بن چکی ہے۔ اور بظاہر (خدانخواستہ) اب اپنی تاریخ کا ایک اور سیاہ ورق اس نئے انتخابی عرصہ میں لکھنا چاہتے ہیں۔

اس وقت ہمیں جس صورتحال کا سامنا ہے بحمد اللہ اسلامی فکر و نظر سے سوچنے اور سنجیدہ دل و دماغ رکھنے والی اکثریت کیلئے اس سے نمٹنا مشکل نہیں، نہ فلاح اور کامیابی کا راستہ سیاسی گورکھ دھندوں میں

ادجھل ہوسکتا ہے، چند باتیں بالکل واضح ہیں کہ ہم سوشلزم کو کفر والحاد کی سیڑھی اور کمیونزم کو دین اور ایمان کا قطعی نقیض سمجھتے ہیں، اس لحاظ سے ہم اسے پورے عالم اسلام کیلئے ایک مہلک خطرہ سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی قسم کے سودے بازی، نرمی، رواداری یا سیاسی جوڑ توڑ کے روادار نہیں ہیں۔ بلکہ ہم اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اسی طرح مغرب کا ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام ہمارے تمام معاشی، اخلاقی اور قومی وملی بربادیوں کی جڑ ہے اس لئے اس پر ہزار بار لعنت بھیجنا ہمارے ایمان کا تقاضا ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ اس لادینی نظام کی پشت پناہ مغربی سامراج کے ہاتھوں گلشن محمدیؐ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ اس نظام کے سب سے بڑے سرغنہ "امریکہ" کے ہاتھوں ہماری ارضِ مقدس فلسطین کی آبرو لٹ رہی ہے، مسجدِ اقصیٰ کے در و بام سے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ فاروقِ اعظمؓ کی مسجد یہود کے نجس قدموں سے پامال ہو رہی ہے، پوری عرب دنیا مصائب اور آلام کی لپیٹ میں ہے، مگر یہ ذلیل سامراج "امریکہ" طیارہ شکن میزائل، فینٹم اور اسکائی ہاک طیاروں سے اسرائیل کی سرپرستی کر رہا ہے، حال ہی میں اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر کی پذیرائی کرتے ہوئے صدر نکسن نے ایک ارب ڈالر کا قرضہ دینے کا مزید فیصلہ کیا ہے، جبکہ اسرائیل گذشتہ بیس سال کے دوران بیس ارب ڈالر کے قرضے امریکہ سے وصول کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ عرب ممالک کے خلاف اسرائیلی فوج کے نقاب میں لڑنے والوں کی اکثریت امریکی باشندوں کی ہے جس کی تصدیق یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل نے بھی ۲۴ ستمبر کی رپورٹ میں کر دی ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر ہم مغربی سامراج کے ایک ایک نشان کو مٹانا جزوِ ایمان سمجھتے ہیں — پھر ملک چونکہ خالص اسلام کے نعرے پر بنایا گیا ہے اس کیلئے دس لاکھ سے زائد معصوم جانیں تہ تیغ ہوگئی ہیں۔ کروڑوں افراد بے گھر ہوگئے ہیں اور کروڑوں اب بھی برہمن سامراج کی تلوار کی زد میں ہیں۔ اس لئے اسلام کے خلاف ہر وہ نعرہ جو ملک کے طبقاتی یا نظریاتی تقسیم اور علاقائی، لسانی یا جغرافیائی شیرازہ منتشر کرنے کا ذریعہ بنے ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔

جو لوگ اس نعرہ سے منہ موڑ کر قائد اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال جیسے اشخاص کی آڑ میں سوشلزم یا مغرب کے کسی اور لادینی نظام کیلئے راستہ ہموار کرنا چاہتے ہیں تو یہ نہ صرف ان کے روح اور مشن سے بلکہ اُن تمام مسلمانوں کی جانوں اور ان کی عصمتوں سے غداری کر رہے ہیں جنہوں نے اپنے خون سے اس گلشنِ اسلام کو سینچا تھا۔ اگر قیام پاکستان کی دعوت دینے والے اس قسم کے لادینی نعروں کو لیکر اٹھے ہوتے تو مسلمانوں کا کوئی ایک فرد بھی ان کا ساتھ نہ دیتا اس لئے کہ اکھنڈ بھارت کی شکل میں

ایسے لادینی خواب بڑی آسانی سے شرمندۂ تعبیر ہو سکتے تھے ـــــــ پھر اگر خدانخواستہ یہ ثابت بھی ہو جائے کہ قائداعظمؒ اور اقبالؒ جیسے لوگ اسلام کا نعرہ محض سیاست اور ڈپلومیسی کی خاطر لگاتے تھے، اور ان کا واقعی مقصد اس ملک میں سوشلزم یا کسی مغربی نظامِ حکومت کا قیام تھا، تب بھی کوئی مسلمان اپنے ان مرحوم قائدین کے کسی لادینی نظریہ کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا، ایسی صورت میں وہ کروڑوں مسلمانوں کے جذبۂ اخلاص اور دین کی خاطر دی گئی قربانیوں کے مقابلہ میں کسی بڑی سی بڑی شخصیت کے لادینی نظریات کو ہزار بار ٹھکرا دیں گے کہ مسلمان قوم کے نزدیک اصل مقام کتاب وسنت کا ہے۔ کسی کے شخصی نظریات کا نہیں، اصل معیار اللہ اور اس کے رسُول کا ہے، اشخاص اور اعاظم رجال نہیں جو لوگ اس بحث میں بار بار قائداعظم اور علامہ اقبال جیسے لوگوں کو گھسیٹنا چاہتے ہیں، وہ درحقیقت ان کے بدخواہ ہیں، اور درحقیقت وہ قوم کے دلوں میں ان کی عظمت اور عقیدت ختم کرنے کے درپے ہیں، انہیں اسلام اور اسلامی اقدار سے نفرت ہے مگر منافقت کی وجہ سے اپنے عزائم کا شکار بڑے لوگوں کی آڑ میں کھیلنا چاہتے ہیں، نظریۂ پاکستان کا مطلب ان کے نزدیک ملاؤں کی حکومت ہے اور "ملایانہ نظام" میں انہیں اپنی عیاشیوں اور ستم کاریوں کی موت دکھائی دیتی ہے۔

اس وقت ملک کے تمام مسلمانوں، تمام اربابِ سیاست بالخصوص علمارکرام ومشائخ عظام سے صرف ایک ہی گذارش کرنی ہے کہ اگر واقعی ہمیں اسلام عزیز اور اسلام کا عادلانہ نظامِ حکومت اور پاکیزہ نظامِ معاشرت محبوب ہے اور آپ انسان کی اخلاقی معاشرتی بدحالی اور معاشی حقوق کی پامالی مزید برداشت نہیں کر سکتے اور آپ اس ملک میں خلافتِ راشدہ کے نہج پر ایک مثالی حکومت دیکھنا چاہتے ہیں جس میں نہ جبر واستحصال ہو نہ ظالمانہ تسلّط اور استیلاء اور نہ رعایا کی حق تلفی ہو، نہ حیوانی خواہشات اور بے دینی کا دور دورہ، تو اس اعلیٰ وارفع مقصد کیلئے یکم جنوری سے ۵ اکتوبر کی ایک ایک گھڑی اور ایک ایک لمحہ کو اپنے علم ودانش اور فہم وشعور کیلئے ایک آزمائش اور چیلنج سمجھیں، مریضِ جاں بلب ہے، گذرنے والی ہر گھڑی یا تو اسے موت سے ہمکنار کر دے گی یا پھر اسے نئی زندگی مل جائے گی۔ اب ہمیں اپنی رائے اور اپنا ووٹ استعمال کرتے وقت دیکھنا ہوگا کہ ہمارا پسندیدہ امیدوار قول وعمل اور کردار واخلاق کے کس معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس کے منشور اس کے نعروں اور اسکی عملی زندگی میں کتنا توافق ہے، وہ اسلام اور ملک وملت کے درد سے کتنا سرشار ہے۔؟

ہمارے قابل قدر علمار کرام کے مختلف گروہوں کو بھی سوچنا ہے کہ وہ اپنے علم و حکمت اور نازک ترین مقام اور منصب کو کس قسم کی سیاست کے بھینٹ پڑھا رہے ہیں، یہاں اسلام پسندی اور غریب پروری کے لبادہ میں بہت سے لیڈر، علمار کے مقام اور مرتبہ سے فائدہ اٹھا کر سیاسی بلیک میلنگ کا مشغلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور ملک کی تاریخ میں علمار ہی ایک ایسا مظلوم یا سادہ لوح طبقہ ہے جو اعلار کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی کے جذبہ میں عیار سیاستدانوں کے ہاتھ کا کھلونا بنا رہتا ہے، مگر ان لوگوں کو جب بھی علمار کرام کے علم و فکر کے سہارے ایوانِ اقتدار تک پہنچنے کا موقع ملا تو اس وقت علمار کو منبر و محراب سنبھالنے اور نماز و روزہ تک اپنے دائرہ کار کو محدود رکھنے کی نصیحتیں کرنے لگے، ان علمار کے سہارے سیاست اور قیادت کے ایوان تعمیر کئے گئے، مگر جب مقصد حاصل ہوا تو انہیں "رجعت پسند ٹولے" اور "ملاؤں کی جماعت" کو اسلام اور خدا کا نام لینے کے جرم میں پابندِ قید و سلاسل کیا گیا قیام پاکستان سے لیکر اب تک کونسی پھبتی ہے جو علمار حق پر نہیں کسی گئی اور کون سا مذاق ہے جو اسلام کے ساتھ نہیں کیا گیا، اور یہاں ایسا کرنے والے نہرو اور پٹیل نہیں تھے بلکہ اس جرم میں ضرورت کے وقت اسلام اور نظریۂ پاکستان کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھانے والے پیش پیش تھے۔ ہمارے علمار کو ان نازک ترین لمحات میں اپنی دینی بصیرت سے فیصلہ کرنا ہے کہ کیا ان کی سیاست خالص اللہ کی رضامندی اور اس کے دین کے لئے مفید ثابت ہو رہی ہے، یا وہ ایک بار پھر نادانستہ طور پر محض چند طالع آزما، نقاب پوش سیاستدانوں اور پیٹ یا اسلام کے نعرہ لگانے والے دائیں اور بائیں بازو کے ایجنٹوں کا آلہ کار بن رہے ہیں۔ علمار کی تمام جماعتوں کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اگر کسی سیاسی پارٹی اور جماعت سے تعاون میں دین کے غلبہ اور حاکمیت کا پہلو بھاری ہے، اور ان سے معاہدہ یا سمجھوتہ کرنے میں اسلام کے اجرار کا غالب امکان ہے تو بصد خلوص اس سیاست کا خیر مقدم کرنا چاہئے، اور اگر اس سیاست بازی کا فائدہ صرف چند عیار اور ابن الوقت پارٹیوں اور اس کے لیڈروں کو پہنچتا ہے، اور علمار کی حیثیت بالآخر اسی حدِ اوسط کی ہے جسے اب تک لیلائے اقتدار سے ہمکنار ہونے کے بعد راندۂ درگاہ چیز سمجھ کر بیچ سے ہٹا دیا جاتا رہا، تو اس ساری ہنگامہ آرائی اور جد و جہد کا نتیجہ چند وقتی منافع اور اغراض کی تکمیل تو ہو سکتا ہے مگر دین اسلام، اور پورے طبقۂ علمار کی عزت و وقار اور فرض منصبی کی ادائیگی کے لحاظ سے صفر ہی رہیگا۔ دین اور سیاست الگ الگ چیز نہیں مگر موجودہ دور کی سیاست اور دین کی پیوندکاری بڑے دل گردے کا کام ہے، سیاست میں اتنا محو نہیں ہونا چاہئے کہ دینی مزاج اور اسلامی روح ہی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ صحیح سیاست انبیار کا منصب تھا، مگر وہ سیاست آج کے جوڑ توڑ مکر و فریب اور دغابازی کی